ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3914

Program: BS Islamic Studies (Spec. Seerat Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیۂ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ سیرت سٹڈیز)

کورس: فضائل ومناقب صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم (3914) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص سیرت سٹڈیز)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 1–4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 0

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1

سوال نمبر 1: صحابی کا شرعی مفہوم بیان کرتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں صحابہ کے معیارِ حق ہونے پر روشنی ڈالیں۔ (20 نمبر)

تعارف

اسلامی علوم میں صحابی کی حیثیت بنیادی اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ دین کی پوری عمارت اسی مقدس جماعت کے ذریعے بعد کی نسلوں تک پہنچی ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت، احادیث نبوی کی روایت، سیرت طیبہ کے واقعات کی گواہی اور شریعت کے عملی نمونے، سب کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے واسطے سے امت تک منتقل ہوا۔ اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ شرعی اصطلاح میں صحابی کسے کہتے ہیں، اس کی پہچان کی شرائط کیا ہیں، اور قرآن و سنت کی روشنی میں اس جماعت کو حق کی شناخت اور پرکھ کا معیار کیوں قرار دیا گیا ہے۔ یہ سوال دو حصوں پر مشتمل ہے: پہلے حصے میں صحابی کا لغوی و شرعی مفہوم اور اس کی تعریف میں اہل علم کی آراء پیش کی جائیں گی، اور دوسرے حصے میں ان دلائل کا جائزہ لیا جائے گا جن کی بنیاد پر صحابہ کو معیار حق کہا جاتا ہے۔

یہ بحث محض تاریخی نہیں بلکہ اصولی حیثیت رکھتی ہے۔ اصول حدیث میں راوی کی عدالت کا مسئلہ، اصول فقہ میں اجماع صحابہ کی حجیت، اور علم کلام میں جماعت صحابہ کی فضیلت، تینوں کا تعلق اسی مفہوم سے ہے۔ اگر صحابی کی تعریف واضح نہ ہو تو نہ روایت کی جانچ کا نظام سمجھ آ سکتا ہے اور نہ ہی امت کی اس عظیم جماعت کے دینی مقام کا درست اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ذیل میں اس موضوع کو منظم انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

صحابی کا لغوی مفہوم

لفظ صحابی عربی لفظ صحبت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ساتھ، رفاقت اور ہم نشینی کے ہیں۔ لغت کی مشہور کتابوں میں صحبت کا اطلاق اس رفاقت پر ہوتا ہے جو کسی کے ساتھ کچھ مدت قیام اور میل جول سے حاصل ہو۔ اسی سے صاحب، صحابی اور اصحاب کے الفاظ بنے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ رفاقت کے عام معنی میں استعمال ہوا ہے، مثلاً غار ثور کے واقعے میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی قرار دیا گیا ہے (سورۃ التوبہ: 40 کے مفہوم کے مطابق)۔ تاہم لغوی معنی اور شرعی اصطلاح میں فرق ہے: لغت میں ہر ساتھی کو صاحب کہا جا سکتا ہے، لیکن شریعت کی اصطلاح میں صحابی کا اطلاق ایک خاص جماعت پر ہوتا ہے جس کی شرائط علماء نے متعین کی ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ صحبت کے لغوی معنی میں مدت کی کوئی خاص حد مقرر نہیں، خواہ رفاقت تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اسی نکتے نے اصطلاحی تعریف میں بھی اثر ڈالا، چنانچہ محدثین کی اکثریت نے ملاقات کی مقدار کو شرط نہیں بنایا بلکہ ایمان کی حالت میں ملاقات اور ایمان ہی پر وفات کو کافی قرار دیا۔ اس کے برعکس بعض فقہاء اور اصولیین نے طویل رفاقت اور باقاعدہ شاگردی کو بھی ملحوظ رکھا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

صحابی کی شرعی و اصطلاحی تعریف

محدثین کے نزدیک صحابی کی سب سے مشہور تعریف وہ ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ کے مقدمے میں اختیار کی ہے۔ اس مفہوم کے مطابق صحابی وہ شخص ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو اور جس کی وفات بھی ایمان پر ہوئی ہو۔ اس تعریف میں تین عناصر بنیادی ہیں: پہلا ایمان، دوسرا ملاقات یعنی دیدار یا صحبت، اور تیسرا ایمان پر خاتمہ۔ جو شخص ایمان لایا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ ہو سکی، جیسے بعض تابعین، وہ صحابی نہیں کہلاتا۔ اسی طرح جس نے ملاقات کی مگر ایمان نہیں لایا، وہ بھی اس اصطلاح میں داخل نہیں۔

اس تعریف کی رو سے ملاقات کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ باقاعدہ لمبی صحبت حاصل ہوئی ہو۔ اگر کوئی شخص ایک لمحے کے لیے بھی ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسی حالت میں دیکھا یا بات سنی، تو وہ صحابی شمار ہوتا ہے، جیسے وہ دیہاتی صحابہ جن کی زیارت مختصر رہی۔ نابینا صحابی کے بارے میں بھی علماء نے یہی اصول رکھا کہ اگر اس نے ایمان کی حالت میں آپ کی مجلس میں حاضری دی اور کلام سنا تو وہ صحابی ہے، کیونکہ ملاقات کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اسی طرح بچپن میں زیارت کرنے والے بھی صحابہ میں شامل سمجھے جاتے ہیں، اگرچہ ان کی روایت کے قبول میں محدثین نے تفصیل رکھی ہے۔

جدول 1: صحابی کی تعریف کے بنیادی عناصر

عنصر	وضاحت	نتیجہ
ایمان	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا	بے ایمان ملاقاتی صحابی نہیں

بغیر ملاقات کے مومن تابعی کہلاتا ہے	ایمان کی حالت میں زیارت، مجلس میں حاضری یا کلام سننا	ملاقات
یہی شرط صحابیت کو مکمل کرتی ہے	زندگی کا خاتمہ ایمان پر ہونا	ایمان پر وفات
مختصر زیارت والا بھی صحابی ہے	محدثین کے نزدیک طویل صحبت شرط نہیں	مدت صحبت

بعض اصولیین، خصوصاً بعض فقہائے احناف اور مولانا سعید بن المسیب جیسے بزرگوں سے منقول رائے کے مطابق، صحابی اسے کہا گیا جس نے طویل عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی، غزوات میں شریک ہوا یا باقاعدہ آپ سے علم حاصل کیا۔ یہ تعریف دراصل ان صحابہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جن سے دین کی بڑی روایتیں اور فقہی احکام منقول ہیں۔ تاہم محدثین کی عام اور راجح تعریف پہلی ہی ہے، کیونکہ روایت کے نظام میں ہر اس شخص کو پہچاننا ضروری ہے جس نے براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، خواہ اس کی صحبت مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ دونوں تعریفوں میں عملی فرق درجے کا ہے، اصل جماعت کی عظمت پر کوئی اختلاف نہیں۔

صحابہ کے طبقات

علماء نے صحابہ کرام کو ان کے قبول اسلام کی سبقت، ہجرت، غزوات میں شرکت اور قرب نبوی کے لحاظ سے مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ اس تقسیم کا مقصد ان کے باہمی درجے کو سمجھنا اور روایت و فقہ میں ان کے مقام کو پہچاننا ہے۔ مشہور تقسیم کے مطابق سب سے پہلے طبقات میں وہ بزرگ ہیں جنہوں نے آغاز اسلام میں ایمان قبول کیا، پھر مہاجرین، پھر انصار، پھر بدر کے شریک صحابہ جن کی فضیلت خصوصی طور پر بیان ہوئی، پھر احد اور خندق کے مراحل والا طبقہ، پھر بیعت رضوان میں شریک اصحاب حدیبیہ، اور پھر فتح مکہ کے موقع پر یا اس کے بعد ایمان لانے والے شامل ہیں۔ یہ طبقات بندی فضیلت کی تدریج کو ظاہر کرتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی بعد والے طبقے کے صحابی کی صحابیت یا عدالت میں کوئی کمی ہے؛ تمام صحابہ عادل اور قابل اعتماد قرار دیے گئے ہیں۔

صحابہ کا معیار حق ہونا: مفہوم

معیار حق ہونے سے مراد یہ ہے کہ کسی بات کے دینی طور پر درست یا نادرست ہونے کی پرکھ میں صحابہ کرام کی فہم، عمل اور اجماع کو بنیادی حوالہ مانا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جماعت براہ راست وحی کے نزول کی شاہد تھی، اس نے قرآن کو نازل ہوتے دیکھا، اسباب نزول کو جانا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ کی تربیت میں پروان چڑھی۔ ایسی جماعت کی اجتماعی فہم، دین کی اصل صورت کی سب سے قریبی اور مستند تصویر پیش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے تمام صحابہ کو عادل قرار دیا، یعنی ان کی روایت کو ثقاہت کے اس اضافی امتحان سے مستثنیٰ رکھا جو بعد کے راویوں کے لیے لازم تھا۔

واضح رہے کہ معیار حق ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ہر صحابی انفرادی طور پر معصوم تھا۔ صحابہ بشری تقاضوں سے، اجتہادی اختلاف بھی ہوا اور بعض مواقع پر انفرادی لغزش کا ذکر بھی روایات میں آتا ہے۔ معیار ہونے کا تعلق ان کی جماعتی حیثیت، ان کی روایت کی امانت اور ان کے اجماع سے ہے۔ جس مسئلے پر صحابہ کا اجماع ہو جائے وہ امت کے نزدیک قطعی حجت ہے، اور جس روایت کو صحابی نے نقل کیا ہو اس کی صداقت پر امت کا اتفاق رہا ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر حدیث، تفسیر اور فقہ کی عمارت قائم ہوئی۔

قرآن مجید کی روشنی میں صحابہ کا مقام

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس جماعت کی تعریف اور اس سے اللہ کی رضا کا اعلان بیان کیا ہے۔ سورۃ التوبہ میں مہاجرین و انصار میں سبقت کرنے والوں اور احسان کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں کے لیے اللہ کی رضا اور جنت کی بشارت کا مفہوم بیان ہوا ہے (آیت 100)۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اس جماعت کا راستہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ راستہ ہے اور ان کی پیروی ہی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اسی سورت میں یہ بھی بیان ہوا کہ اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار کی توبہ قبول فرمائی جنہوں نے تنگی کے وقت میں بھی ساتھ دیا (آیت 117 کا مفہوم)، جو ان کے اخلاص کی گواہی ہے۔

سورۃ الفتح میں بیعت رضوان کے موقع پر درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کے بارے میں اللہ کی رضا اور ان کے دلوں کے حال سے آگاہی کا ذکر آیا ہے (آیت 18 کا مفہوم)، اور اسی سورت کے آخر میں صحابہ کی صفات بیان کرتے ہوئے انہیں کفار پر سخت اور آپس میں رحیم قرار دیا گیا اور ان کی مثال تورات و انجیل میں مذکور ہونے کا مفہوم

بیان ہوا (آیت 29)۔ سورۃ الحشر میں مہاجرین کی سچائی اور انصار کی ایثار پسندی کی تعریف کی گئی ہے (آیات 8 تا 9 کا مفہوم)۔ یہ تمام آیات مل کر بتاتی ہیں کہ یہ جماعت اللہ کی پسندیدہ اور اس کے دین کی امین جماعت ہے، لہٰذا حق کی پہچان میں انہیں معیار ماننا عین قرآنی رہنمائی کے مطابق ہے۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنی چاہیے کہ ان آیات کے دقیق فقہی و کلامی اطلاقات میں اہل علم کے درمیان علمی بحث موجود ہیں، اور کسی معین شخص یا واقعے پر ان کا اطلاق اہل علم ہی کا کام ہے۔

سنت نبوی کی روشنی میں صحابہ کا مقام

احادیث میں بھی صحابہ کی فضیلت اور ان کی پیروی کی تاکید بار بار آئی ہے۔ مشہور حدیث کا مفہوم ہے کہ بہترین زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد آنے والوں کا، پھر ان کے بعد والوں کا (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا دور اور ان کی جماعت امت کے تمام ادوار میں سب سے بہتر ہے۔ ایک اور روایت کا مفہوم ہے کہ صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور انہیں ہدف تنقید نہیں بنانا چاہیے (جامع ترمذی)۔ اسی طرح یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ صحابہ کو برا نہ کہا جائے، کیونکہ ان کے ایک مد کے برابر خرچ کا ثواب بعد والوں کے احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا (صحیح بخاری و صحیح مسلم کے مفہوم کے مطابق)۔

سنت کی روشنی میں معیار حق ہونے کی ایک بڑی دلیل وہ روایت ہے جس میں نجات پانے والے گروہ کی پہچان یہ بتائی گئی کہ وہ اس طریقے پر ہو گا جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تھے (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد میں مذکور مفہوم)۔ اسی طرح خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامنے کی ہدایت بھی روایات میں آئی ہے (سنن ابی داؤد و ترمذی)۔ ان نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ سنت کی درست فہم وہی ہے جو صحابہ کی فہم اور عمل کے مطابق ہو، کیونکہ انہوں نے سنت کو براہ راست دیکھ کر سیکھا تھا۔

حاصل بحث اور نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ صحابی وہ مومن ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی اور ایمان پر اس کی وفات ہوئی؛ یہ محدثین کی راجح تعریف ہے۔ قرآن مجید نے اس جماعت کی تعریف، اس سے اللہ کی رضا اور اس کی پیروی پر اجر کا اعلان کیا، اور سنت نبوی نے اسے امت کی بہترین جماعت اور ہدایت کا معیار قرار دیا۔ اسی

لیے امت کے علماء نے صحابہ کی عدالت، ان کی روایت کی حجیت اور ان کے اجماع کے قطعی ہونے پر اتفاق کیا۔ آج کے طالب علم کے لیے اس بحث کا سبق یہ ہے کہ دین کو سمجھنے کا مستند راستہ وہی ہے جو اس پہلی جماعت کی فہم سے ہو کر گزرتا ہے، اور ان بزرگوں کا ادب و احترام ایمان کی علامت ہے۔ البتہ اختلافی تاریخی جزئیات میں رائے قائم کرتے وقت احتیاط، ادب اور اہل علم کی رہنمائی ہی درست لائحہ عمل ہے۔

سوال نمبر 2

سوال نمبر 2: انصار صحابہ کے فضائل و مناقب پر جامع مضمون تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

اسلام کی تاریخ میں انصار کا لفظ ایک مخصوص اور عظیم جماعت کے لیے استعمال ہوتا ہے: مدینہ منورہ کے وہ مسلمان جنہوں نے نہایت نازک وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی نصرت کی، انہیں اپنے شہر میں جگہ دی، اپنے مال و اسباب میں شریک کیا اور دین کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں پیش کیں۔ لفظ انصار نصرت سے بنا ہے جس کے معنی مدد اور حمایت کے ہیں۔ یہ خطاب درحقیقت ان کی اسی بے مثال خدمت کا اعتراف ہے۔ مدینہ کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج اس جماعت کی بنیاد تھے، جن کی پرانی باہمی دشمنی اسلام کی برکت سے بھائی چارے میں بدل گئی۔ اس مضمون میں انصار کی تعریف و پس منظر، ان کے قبول اسلام کی تاریخ، قرآن و حدیث میں ان کے فضائل، ان کی عملی خدمات اور ان کے اخلاقی اوصاف کا جامع جائزہ لیا جائے گا۔

انصار کون ہیں: تعریف اور پس منظر

اصطلاح میں انصار سے مراد مدینہ طیبہ کے وہ باشندے ہیں جنہوں نے ہجرت سے پہلے یا بعد میں اسلام قبول کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے بعد آپ کی اور مہاجرین کی ہر طرح کی مدد کی۔ یہ لوگ زیادہ تر قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، جو یمن سے آ کر یثرب میں آباد ہوئے تھے۔ ان کے مقابلے میں مکہ سے ہجرت

کر کے آنے والے مہاجرین کہلائے۔ دونوں جماعتوں کا کردار الگ الگ مگر باہم تکمیلی تھا: مہاجرین نے دین کے لیے سب کچھ چھوڑا اور انصار نے ان کے لیے سب کچھ کھول دیا۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں دونوں کا ذکر اکثر ساتھ ساتھ آیا ہے۔

مدینہ کے ماحول میں یہود کے قبائل کی موجودگی، ان سے تورات و آخرت کے تصورات کی سماعت نے انصار کے دلوں کو حق کی قبولیت کے لیے تیار کر دیا تھا۔ جب مکہ میں موسم حج کے موقع پر ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو یہ لوگ دوسری قوموں کی نسبت جلد ایمان کی طرف مائل ہوئے۔ یہ پس منظر بتاتا ہے کہ انصار کی نصرت اچانک جذباتی فیصلہ نہیں تھی بلکہ ایک فکری آمادگی اور پختہ عہد کا نتیجہ تھی جسے انہوں نے عمر بھر نبھایا۔

قبول اسلام اور بیعت عقبہ

انصار کے اسلام کی تاریخ بیعت عقبہ سے جڑی ہے۔ پہلی بیعت میں مدینہ کے بارہ افراد نے ایمان و اطاعت کا عہد کیا، اور اگلے سال پچھتر کے قریب مرد و خواتین نے عقبہ کے مقام پر اس مشہور بیعت میں شرکت کی جسے بیعت الحرب بھی کہا جاتا ہے۔ اس بیعت میں انصار نے یہ عہد کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ اس دور کا غیر معمولی عزم تھا جب مکہ میں مسلمان شدید مظالم کا شکار تھے اور مدینہ کے گرد بھی خطرات منڈلا رہے تھے۔ اسی بیعت کے بعد ہجرت کی راہ ہموار ہوئی اور مدینہ دارالاسلام بنا۔

بیعت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر بھیجا جن کی کوششوں سے اسلام گھر گھر پھیلا۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما جیسے سرداروں کے ایمان لانے سے پورے قبیلے اسلام میں داخل ہوئے۔ اس مرحلے سے یہ سبق ملتا ہے کہ انصار کی فضیلت کی جڑ ان کے اس اولین فیصلے میں ہے کہ انہوں نے طاقت و تعداد کم ہونے کے باوجود حق کا ساتھ دینداری اور جوانمردی سے دیا۔

قرآن مجید میں انصار کے فضائل

قرآن مجید نے انصار کی متعدد خصوصیات کی تعریف کی ہے۔ سورۃ الحشر میں ان کے بارے میں یہ مفہوم بیان ہوا کہ وہ اپنے دلوں میں مہاجرین کے لیے کوئی کینہ نہیں رکھتے، دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود تنگ دستی میں ہوں، اور جو شخص نفس کے بخل سے بچا لیا گیا وہی کامیاب ہے (آیت 9)۔ ایثار کی یہ تعریف انصار کی سب سے نمایاں قرآنی فضیلت ہے۔ سورۃ التوبہ میں سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار کے لیے اللہ کی رضا اور جنت کی دوامی نعمتوں کا ذکر آیا ہے (آیت 100 کا مفہوم)، اور اسی سورت میں مدینہ والوں کے اخلاص اور مشکل وقت کی ثابت قدمی کی بھی تائید کی گئی ہے۔

سورۃ الانفال میں ایمان لانے، ہجرت کرنے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور پناہ و نصرت دینے والوں کو حقیقی مومن قرار دیا گیا ہے (آیت 74 کا مفہوم)، جس میں انصار کی نصرت کو ایمان کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا۔ ان آیات سے مجموعی طور پر یہ تصویر بنتی ہے کہ انصار محض ایک مقامی جماعت نہیں بلکہ قرآن کی نظر میں ایمان، ایثار، نصرت اور پاکیزہ دلی کا نمونہ ہیں۔ ان فضائل کا مطالعہ طالب علم کو یہ سکھاتا ہے کہ دینی فضیلت کا اصل معیار اللہ کی رضا کے لیے قربانی اور بھائی چارے کا عملی مظاہرہ ہے۔

احادیث میں انصار کے مناقب

احادیث نبوی میں انصار کے مناقب بکثرت وارد ہیں۔ ایک مشہور روایت کا مفہوم ہے کہ انصار سے محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض نفاق کی علامت ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔ ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں وصیت فرمائی کہ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کیا جائے، ان کے نیکوکار کی نیکی قبول کی جائے اور خطاکار سے درگزر کیا جائے (صحیح بخاری کا مفہوم)۔ فتح مکہ کے بعد جب بعض انصار کے دلوں میں مال غنیمت کی تقسیم پر سوال پیدا ہوا تو آپ نے انہیں مخاطب کر کے وہ تاریخی کلمات ارشاد فرمائے جن کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ مال لے کر گھروں کو جائیں گے اور انصار اللہ کے رسول کو لے کر جائیں گے؛ اگر لوگ ایک راستے اور انصار دوسرے راستے پر چلیں تو آپ انصار کا راستہ اختیار کریں گے (صحیح بخاری و مسلم میں مذکور واقعہ)۔ اس خطاب نے انصار کو رُلایا اور ان کے دل مطمئن ہو گئے۔

انصار کی خواتین و مردوں کے انفرادی مناقب بھی کتب حدیث میں درج ہیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں ان کے مرتبے کے خاص اشارے ملتے ہیں، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی سخاوت مشہور ہے، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو قرآن کے قاریوں میں ممتاز مقام حاصل ہے، اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے علم کی تعریف وارد ہوئی ہے۔ ان انفرادی مناقب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انصار محض ایک اجتماعی نام نہیں بلکہ علم، جہاد، سخاوت اور عبادت کے میدانوں کی درخشندہ شخصیات کا گلدستہ ہے۔

جدول 2: انصار کی نمایاں خصوصیات اور ان کے مظاہر

تعلیمی سبق	مظہر	خصوصیت
بھائی چارے میں خود پر دوسروں کو ترجیح دینا	مہاجرین کو مال، گھر اور کاروبار میں شریک کرنا	ایثار
مشکل وقت میں حق کا ساتھ دینا	بیعت عقبہ کا عہد اور تمام غزوات میں شرکت	نصرت و حفاظت
حسد و کینے سے پاک معاشرہ بنانا	قرآن کی تعریف کے مطابق دلوں کی پاکیزگی	ایمان و اطاعت
علم کو خدمت دین کا ذریعہ بنانا	ابی بن کعب اور معاذ بن جبل جیسے علماء کی خدمات	علم و قرآن
مال کو ضرورت مندوں پر خرچ کرنا	دعوتوں، خرچ اور مہمان نوازی کی روایت	سخاوت

انصار کی عملی خدمات

انصار کی خدمات کا دائرہ ہجرت کی میزبانی سے لے کر ریاست مدینہ کے استحکام تک پھیلا ہوا ہے۔ مؤاخات کے نظام میں ہر انصاری نے ایک مہاجر کو بھائی بنا کر اس کی کفالت اپنے ذمے لی۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں انہوں نے دن رات محنت کی۔ بدر، احد، خندق اور دیگر تمام اہم معرکوں میں انصار کی شرکت نمایاں رہی؛ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ڈھال بننے والوں میں انصار پیش پیش تھے۔ خندق کی کھدائی میں ان کا حصہ اور بھوک و تھکاوٹ کے باوجود ثابت قدمی سیرت کا روشن باب ہے۔ انتظامی شعبوں میں بھی

انصار نے خدمات انجام دیں: کاتبین وحی، مبلغین، قضا اور مختلف مہمات کی قیادت میں ان کے نام ملتے ہیں۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف معلم و قاضی بنا کر بھیجا جانا اسی اعتماد کی مثال ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع اور پھر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی نصرت کسی وقتی جذبے کا نام نہیں تھی بلکہ امت کے اتحاد کی پاسداری ان کے مزاج میں شامل تھی۔ بعد کے ادوار میں بھی انصار اور ان کی اولاد مدینہ کی علمی و دینی زندگی کا مرکز رہے اور فقہ مدینہ کی روایت میں ان کا بڑا حصہ رہا۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ انصار اسلام کی وہ عظیم جماعت ہے جس کی فضیلت قرآن کی تعریف، احادیث کے مناقب اور تاریخ کی عملی خدمت، تینوں سے ثابت ہے۔ ان کا ایثار، ان کی نصرت، ان کے دلوں کی صفائی اور ان کی قربانیاں ہر دور کے مسلمان کے لیے نمونہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا۔ آج کے تناظر میں انصار کی سیرت کا سبق یہ ہے کہ دین کی خدمت محض دعوے سے نہیں ہوتی بلکہ وقت، مال، مہمان نوازی اور بھائی چارے کی عملی قربانی سے ہوتی ہے، اور یہی وہ روح ہے جو کسی بھی معاشرے کو مدینہ جیسی برکتوں سے آشنا کر سکتی ہے۔

سوال نمبر 3

سوال نمبر 3: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت و خدمات کا جائزہ لیں۔ (20 نمبر)

تعارف

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم کے لقب سے مشہور، اسلام کی ان عظیم شخصیات میں سے ہیں جن کی زندگی کا ہر پہلو درس آموز ہے۔ آپ خلفائے راشدین میں دوسرے خلیفہ ہیں، عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں، اور آپ کی دس سالہ خلافت کو اسلامی ریاست کی تنظیم و توسیع کا سنہری دور مانا جاتا ہے۔ قبول اسلام سے پہلے کی سختی، ایمان کے بعد کی بے مثال استقامت، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی تربیت، اور خلافت کے دور کی عادلانہ حکمرانی، یہ سب مل کر آپ کی سیرت کی مکمل تصویر بناتے ہیں۔ اس جواب میں آپ کے خاندانی پس منظر، قبول اسلام، مدنی دور کی خدمات، خلافت کے کارنامے اور آپ کی سیرت کے نمایاں اوصاف کا منظم جائزہ لیا جائے گا۔



شکل 1: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی اور خلافت کا زمانی خاکہ

نام، خاندان اور ابتدائی زندگی

آپ کا نام عمر، کنیت ابو حفص اور لقب فاروق ہے۔ آپ قریش کے قبیلے بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد خطاب بن نفیل اور والدہ حنتمہ بنت ہاشم تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے تقریباً تیرہ برس بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ جوانی میں آپ پہلوانی، خطابت اور شاعری کی سمجھ کے لیے مشہور ہوئے اور قریش کی سفارت کاری کے امور میں بھی آپ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ خواندگی اس دور کے عرب میں کم تھی، مگر آپ ان چند افراد میں تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہی صلاحیتیں بعد میں اسلامی ریاست کے نظام کی تعمیر میں کام آئیں۔

اسلام کے آغاز میں آپ مسلمانوں کے سخت مخالف تھے۔ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ آپ کی سختی سے مسلمان مکہ میں بہت آزمائش میں رہے۔ لیکن یہی شدت جب حق کی طرف مڑی تو اسلام کو ایک ایسی قوت مل گئی جس نے مکہ کی فضا بدل دی۔ یہ پس منظر بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات بڑے مخالف کو سب سے بڑا مددگار بنا دیتا ہے، بشرطیکہ دل میں سچائی کی طلب ہو۔

قبول اسلام اور اس کے اثرات

آپ کے قبول اسلام کا واقعہ سیرت کا مشہور باب ہے۔ روایات کے مطابق آپ تلوار لے کر نکلے، راستے میں بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہما کے اسلام کی خبر ملی، ان کے گھر سورۃ طٰہٰ کی تلاوت سنی، قرآن کے کلام نے دل کو متاثر کیا، اور آپ سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لے آئے۔ اس واقعے کی جزئیات میں روایات کے اختلافات موجود ہیں، لیکن اس کا یہ پہلو متفقہ ہے کہ آپ کا ایمان اسلام کی اجتماعی زندگی میں فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔ آپ کے بعد مسلمانوں نے کھل کر کعبہ کے قریب نماز ادا کی اور حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما کے ایمان کو مسلمانوں کے لیے عزت کا سبب قرار دیا گیا (سیرت و حدیث کی روایات کا مفہوم)۔

فاروق کا لقب اسی لیے دیا گیا کہ آپ کے ذریعے حق و باطل واضح ہو کر الگ نظر آنے لگے۔ ہجرت کے موقع پر بھی آپ کا انداز منفرد تھا: روایات میں آتا ہے کہ آپ نے اعلانیہ ہجرت کی اور قریش کو للکارا۔ یہ جرات و شجاعت آپ کی شخصیت کی پہچان تھی جو بعد میں بھی برقرار رہی۔

عہد نبوی میں خدمات

مدینہ میں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی مشیروں میں شامل رہے۔ بدر، احد، خندق سمیت تمام بڑے غزوات میں آپ شریک ہوئے۔ بدر کے قیدیوں کے مسئلے میں آپ کی رائے کی تائید قرآن کے اسلوب میں بھی ذکر کی جاتی ہے، اور متعدد مواقع پر آپ کی رائے کے موافق وحی نازل ہونے کو محدثین نے آپ کے خاص مناقب میں شمار کیا ہے، جنہیں موافقات عمر کہا جاتا ہے؛ ان کی تفصیل کتب حدیث میں مذکور ہے اور یہاں یہ بحث صرف اشارے تک محدود رکھی جاتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ کے جذبات اور پھر آپ کی کامل اطاعت اس بات کی مثال ہے کہ شجاعت کے ساتھ تسلیم و رضا بھی آپ کی سیرت کا حصہ تھی۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ ان کے دست راست رہے۔ جمع قرآن کے مشورے کا سہرا بھی آپ کے سر جاتا ہے: جنگ یمامہ میں حفاظ کی شہادتوں کے بعد آپ نے خلیفہ اول کو قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے کی ترغیب دی، جس پر بالآخر مصحف کی تدوین کا کارنامہ انجام پایا۔ یہ دور اندیشی امت کے لیے قرآن کی حفاظت کے بڑے اسباب میں سے ایک بنی۔

دور خلافت: فتوحات اور نظم ریاست

634 عیسوی میں آپ خلیفہ بنے اور تقریباً ساڑھے دس سال خلافت کی۔ آپ کے دور میں عراق، شام، مصر اور فارس کے بڑے علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہوئے، قادسیہ اور یرموک کے تاریخی معرکے اسی دور میں پیش آئے، بیت المقدس کی فتح اور وہاں آپ کی [illegible] موجودگی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ لیکن آپ کی اصل عظمت فتوحات کے رقبے سے زیادہ اس نظام میں ہے جو آپ نے قائم کیا۔ آپ نے دیوان یعنی باقاعدہ رجسٹر کا نظام شروع کیا، سپاہ میں خراج اور وظیفہ خوروں کے ریکارڈ مرتب ہوئے، بیت المال کو منظم کیا، صوبے قائم کر کے گورنر مقرر کیے، قاضیوں کو انتظامیہ سے الگ کر کے عدلیہ کی آزادی کی بنیاد رکھی، اور ہجری تقویم کی ابتدا کی۔ شہروں میں بصرہ اور کوفہ جیسے نئے مراکز آباد ہوئے۔

جدول 3: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے نمایاں کارنامے

شعبہ	کارنامہ	اہمیت
انتظامیہ	صوبائی نظام، گورنروں کی تقرری اور ان کا احتساب	وسیع ریاست کا منظم انتظام ممکن ہوا
عدلیہ	قاضیوں کی آزادی اور مشہور عدالتی ہدایات	انصاف کی فراہمی میں غیر جانبداری قائم ہوئی
مالیات	بیت المال، دیوان اور وظائف کا نظام	ریاستی خزانے کی شفاف تقسیم کا نمونہ بنا
تقویم و ریکارڈ	ہجری سن کا آغاز اور مردم شماری کی روایت	تاریخی و انتظامی نظم کی بنیاد پڑی

عوامی سہولت حکمرانی کا مقصد قرار پایا	راستوں، نہروں اور مسافر خانوں کی دیکھ بھال	سماجی خدمت

آپ کا عدل ضرب المثل ہے۔ گورنروں کے اثاثوں کا حساب، رعایا کی شکایات کی سماعت، راتوں کو مدینہ کی گلیوں میں گشت اور ضرورت مندوں کی خبر گیری کی روایات آپ کے احساس ذمہ داری کو ظاہر کرتی ہیں۔ مشہور ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر جائے تو عمر سے اس کے بارے میں سوال ہو گا، یہ قول ان کے احساس احتساب کی علامت کے طور پر کتب میں نقل ہوتا ہے۔ غیر مسلم رعایا کے حقوق کی پاسداری اور معاہدوں کی پابندی میں بھی آپ کا دور مثالی سمجھا جاتا ہے۔

سیرت کے نمایاں اوصاف اور شہادت

آپ کی سیرت کے اوصاف میں حق پسندی، زہد، سادگی، مشورے کی پاسداری اور اللہ کا خوف نمایاں ہیں۔ خلیفہ ہونے کے باوجود آپ کا لباس و خوراک سادہ رہا، پیوند لگا کرتہ پہننے کی روایات مشہور ہیں۔ مجلس شوریٰ کا نظام آپ نے باقاعدہ قائم رکھا اور اہم فیصلے مہاجرین و انصار کے مشورے سے کیے۔ 644 عیسوی میں آپ نماز فجر کی امامت کے دوران ابولؤلؤ کے خنجر سے زخمی ہوئے اور چند دن بعد شہید ہو گئے؛ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ وفات سے پہلے آپ نے خلافت کے لیے چھ رکنی شوریٰ مقرر کی، جو آپ کی آئینی دور اندیشی کی آخری مثال ہے۔

نتیجہ

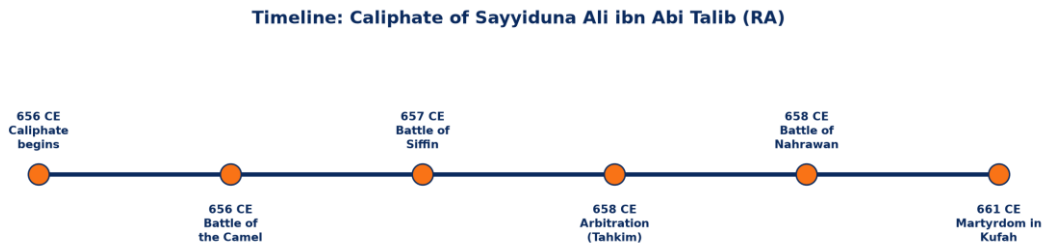
جائزے کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا کمال تین چیزوں کے امتزاج میں ہے: ایمان کی پختگی، عدل کی بے خوفی اور نظام سازی کی غیر معمولی صلاحیت۔ آپ نے اسلام کی دعوت کو ایک منظم، عادل اور فلاحی ریاست کی صورت دی اور حکمرانی کو خدمت و احتساب کا نمونہ بنایا۔ آج کے طالب علم اور ہر ذمہ دار شخص کے لیے آپ کی سیرت کا پیغام یہ ہے کہ اختیار امانت ہے، انصاف کمزور کی حمایت سے پہچانا جاتا ہے، اور قیادت کی اصل شان ذاتی آسائش نہیں بلکہ عوام کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانا ہے۔

سوال نمبر 4

سوال نمبر 4: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت کے اہم کارنامے بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، جنہیں المرتضیٰ، حیدر اور باب العلم نیز ابو التراب سے یاد کیا جاتا ہے، خلفائے راشدین میں چوتھے خلیفہ ہیں۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور داماد، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے والد ہیں۔ آپ کا دور خلافت 656 عیسوی سے 661 عیسوی تک رہا۔ یہ دور مختصر مگر پُر آشوب تھا: امت داخلی اختلافات اور جنگوں کے مشکل دور سے گزر رہی تھی۔ ایسے حالات میں آپ کے کارناموں کا جائزہ لیتے وقت یہ اصول یاد رکھنا ضروری ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات اجتہادی نوعیت کے تھے، ان کا ذکر ادب و احترام کے ساتھ اور تعلیمی انداز میں ہونا چاہیے، اور کسی فریق کے بارے میں قطعی دینی حکم لگانا اس گائیڈ کا منشا نہیں؛ یہ اہل علم کا دائرہ ہے۔ اس پس منظر کے ساتھ ذیل میں آپ کے دور کے اہم کارنامے پیش کیے جاتے ہیں۔



شکل 2: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے اہم واقعات کا زمانی خاکہ

خلافت کا آغاز اور ابتدائی اقدامات

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ میں شدید انتشار تھا۔ مہاجرین و انصار اور عوام کے اصرار پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری قبول کی، حالانکہ آپ اس منصب کے خواہشمند نہ تھے۔ آپ کے اولین اقدامات میں نظام کی بحالی اور اصولوں کی پاسداری نمایاں ہے۔ آپ نے سابقہ دور کے ان گورنروں کو تبدیل کیا جن کے

بارے میں عوامی شکایات تھیں اور ان کی جگہ صحابہ و قابل افراد کو مقرر کیا۔ آپ نے بیت المال کی تقسیم میں مساوات کا اصول اپنایا اور کسی کو نسب یا سبقت کی بنیاد پر اضافی رعایت دینے سے گریز کیا، جس سے آپ کی مالی دیانت اور مساوات پسندی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے دارالحکومت مدینہ سے کوفہ منتقل کیا، جو اس وقت کی سیاسی و عسکری صورت حال کے پیش نظر ایک اہم انتظامی فیصلہ تھا۔

آپ کی خلافت کا ایک بنیادی وصف یہ تھا کہ آپ نے اصول پر سمجھوتا کرنے سے انکار کیا۔ جن مطالبات کو آپ نے خلاف مصلحت یا خلاف اصول سمجھا، انہیں دباؤ کے باوجود تسلیم نہیں کیا۔ یہ طرز عمل سیاسی طور پر مشکل ضرور ثابت ہوا، مگر اس سے آپ کی دیانت اور حق گوئی کی وہ تصویر سامنے آئی جو بعد کی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

داخلی چیلنجز اور ان سے نمٹنے کا انداز

آپ کے دور کے بڑے واقعات میں جنگ جمل (656ء) اور جنگ صفین (657ء) شامل ہیں۔ ان واقعات کے اسباب و تفصیلات میں مؤرخین کی روایات مختلف ہیں۔ یہاں مختصراً یہ بیان کافی ہے کہ یہ اختلافات قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلے کے وقت اور طریقے سے متعلق اجتہادی اختلافات کی صورت میں سامنے آئے، اور فریقین کے پیش نظر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق حق کی حمایت تھی۔ جنگ جمل کے بعد آپ نے مخالفین کے شہداء و اسیر ان کے ساتھ حسن سلوک کیا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پورے اعزاز کے ساتھ مدینہ واپس بھیجا، جو آپ کے اخلاق و احترام کا روشن ثبوت ہے۔ صفین کے بعد تحکیم کا مرحلہ آیا، جس کے نتیجے میں خارجی فرقے نے علیحدگی اختیار کی اور نہروان کا واقعہ پیش آیا۔

ان پُر آشوب حالات میں بھی آپ نے چند اصول ہمیشہ برقرار رکھے: بغاوت و اختلاف کے باوجود مسلمانوں کے خون کی حرمت کا احترام، مخالف کو کافر قرار دینے سے گریز، اور صلح کی کوششوں کا دروازہ کھلا رکھنا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ خارجیوں کے بارے میں بھی یہی فرماتے تھے کہ وہ ہمارے وہ بھائی ہیں جنہوں نے ہم سے اختلاف کیا (کتب تاریخ میں منقول مفہوم)۔ یہ وسعت ظرفی اور حلم آپ کے دور کا سب سے قیمتی سبق ہے۔

انتظامی، عدالتی اور مالی کارنامے

انتظامی میدان میں آپ نے گورنروں کو تفصیلی ہدایات جاری کیں، جن میں مالک اشتر کے نام آپ کا مشہور عہد نامہ تاریخ حکمرانی کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ اس دستاویز میں رعایا کے ساتھ نرمی، ٹیکس وصولی میں انصاف، تاجروں کاشتکاروں کی سرپرستی اور اہل کاروں کے انتخاب کے اصول بیان ہوئے ہیں۔ عدالتی شعبے میں آپ کی قضاضرب المثل ہے؛ آپ خود قاضی کی عدالت میں مدعاعلیہ کے طور پر پیش ہونے کو تیار رہے، جس کی مشہور مثال آپ کی زرہ کے مقدمے کی روایت ہے۔ مالی نظم میں آپ نے بیت المال کو باقاعدگی سے تقسیم کیا، خزانے میں مال جمع کر کے رکھنے کے بجائے مستحقین تک پہنچانا آپ کی پالیسی تھی، اور کوفہ کے بیت المال کی صفائی کر کے اس میں نماز ادا کرنے کی روایت آپ کی مالی طہارت پسندی کی علامت ہے۔

جدول 4: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے کارنامے ایک نظر میں

میدان	کارنامہ	نوٹ
انتظامیہ	گورنروں کی تبدیلی اور دارالحکومت کی کوفہ منتقلی	نظام کی بحالی اور حالات کے مطابق فیصلہ
مالیات	بیت المال کی مساوی تقسیم	نسب و مرتبے کی رعایت کے بغیر انصاف
عدلیہ	قضا میں خود احتساب اور غیر جانبداری	قانون کے سامنے سب کی برابری کا نمونہ
حکمرانی اخلاق	مالک اشتر کے نام عہد نامہ	رعایا پروری کی جامع دستاویز
علم و ادب	کوفہ میں علمی مجالس، خطابت و شعر کی سرپرستی	علمی تحریک کی بنیاد مستحکم ہوئی

علمی و تہذیبی خدمات

آپ کے دور میں کوفہ علم و ادب کا بڑا مرکز بنا۔ آپ خود فصیح ترین خطیب، قرآن کے مفسر اور فقہ کے گہرے عالم تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آپ کے بارے میں علمی شہرت کی بنیاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ علم کے دروازے کی حیثیت رکھتے ہیں (جامع ترمذی میں مذکور روایت، جس کے درجات پر محدثین کی بحث موجود ہے)۔ عربی نحو کے قواعد کی تدوین کی ابتدائی سرپرستی بھی آپ سے منسوب ہے؛ ابوالاسود دؤلی کو آپ کی ہدایت پر اس علم کی بنیاد رکھنے کا شرف حاصل ہوا، جو قرآن کو لغوی غلطیوں سے محفوظ رکھنے کی عظیم خدمت ثابت ہوا۔ آپ کے خطبات، مکتوبات اور حکیمانہ اقوال بعد میں نہج البلاغہ جیسی کتابوں میں جمع ہوئے، جن کی ادبی و اخلاقی قدر پر علماء نے بہت کچھ لکھا ہے۔

آپ نے مساجد میں دروس کا سلسلہ قائم رکھا، نوجوان صحابہ و تابعین کی تربیت کی، اور فتاویٰ و قضائیں شوریٰ کا مزاج برقرار رکھا۔ صحابہ میں آپ کے فتاویٰ و فیصلوں کا ذخیرہ فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ میں شمار ہوتا ہے، اور چاروں فقہی مسالک کے ہاں آپ کے اقوال کو اہم مقام حاصل ہے۔

شہادت اور دور کا مجموعی جائزہ

661 عیسوی میں رمضان المبارک کے مہینے میں کوفہ کی مسجد میں خارجی ابن ملجم نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی خلافت کا دورانیہ تقریباً چار سال نو ماہ بنتا ہے۔ مجموعی جائزہ یہ ہے کہ آپ کو وہ استحکام میسر نہ آیا جو آپ کے پیشروؤں کو حاصل تھا، اس کے باوجود آپ نے زہد، عدل، علم اور اصول پسندی کا وہ نمونہ چھوڑا جو حالات کی سختی میں بھی روشن رہا۔ آپ کا دور یہ سکھاتا ہے کہ حکمران کی عظمت فتوحات کے رقبے سے نہیں بلکہ اس کے اصولوں پر قائم رہنے اور رعایا کے مال و جان کی امانت داری سے ناپی جاتی ہے۔

نتیجہ

نتیجے کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا کے دور خلافت کے اہم کارنامے چار شعبوں میں خلاصہ ہوتے ہیں: نظام ریاست کی اصولوں پر بحالی، عدل و مساوات پر مبنی مالی و عدالتی پالیسی، اخلاقی حکمرانی کی دستاویزی روایت، اور علم و ادب کی سرپرستی۔ داخلی اختلافات کے باوجود آپ نے مسلمانوں کے خون کی حرمت اور امت کی وحدت کے خیال کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ ان واقعات کا تعلیمی مطالعہ ادب، وسعت ظرفی اور اجتہادی اختلاف کے احترام کے ساتھ ہونا چاہیے، یہی اس موضوع کا درست علمی طریقہ ہے۔

سوال نمبر 5

سوال نمبر 5: عشرہ مبشرہ سے کیا مراد ہے؟ سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ کے حالاتِ زندگی مختصر تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

عشرہ مبشرہ صحابہ کرام کی وہ دس عظیم شخصیات ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی۔ یہ بشارت کسی ایک مجلس کے تاثر کا نام نہیں بلکہ ان بزرگوں کی زندگی بھر کی ایمانی خدمات، قربانیوں اور استقامت کا الٰہی اعتراف ہے۔ اس سوال میں پہلے عشرہ مبشرہ کا مفہوم اور اس کی حدیثی بنیاد بیان کی جائے گی، اس کے بعد اس فہرست کے دو جلیل القدر ناموں سیدنا طلحہ بن عبید اللہ اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کے حالات زندگی مختصراً پیش کیے جائیں گے۔ واضح رہے کہ جنت کی بشارت کے بارے میں روایات کا تعلیمی بیان مقصود ہے؛ کسی کے بارے میں دینی حکم کے دقیق مباحث اہل علم کا شعبہ ہیں۔

عشرہ مبشرہ سے مراد

عشرہ کے معنی دس کے ہیں اور مبشرہ سے مراد وہ ہستیاں ہیں جنہیں بشارت دی گئی۔ جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں مذکور مشہور روایت کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ کا نام لے کر ان کے جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی۔ ان دس میں چاروں خلفائے راشدین کے علاوہ طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر قریش کے اولین مسلمان ہیں اور ان میں سے اکثر نے بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل کی۔ اس فہرست کے علاوہ بھی بعض دیگر صحابہ و صحابیات کے لیے انفرادی روایات میں جنت کی بشارتیں وارد ہیں، جن میں سیدہ خدیجہ، سیدہ فاطمہ، حسنین کریمین اور بلال حبشی رضی اللہ عنہم کے نام معروف ہیں؛ عشرہ مبشرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان دس کا ذکر ایک ہی روایت میں یکجا آیا ہے۔

جدول 5: عشرہ مبشرہ کے دس اسمائے گرامی

نمبر	نام مبارک	نمایاں پہچان
1	سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	خلیفہ اول، یارِ غار
2	سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ	خلیفہ دوم، عدل کے لیے مشہور
3	سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ	خلیفہ سوم، جامع قرآن
4	سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ	خلیفہ چہارم، باب العلم
5	سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ	احد کے دن ڈھال بننے والے
6	سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	حواریِ رسول کے لقب سے مشہور
7	سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	شوریٰ کے رکن، سخی تاجر

فاتح عراق، قادسیہ کے سپہ سالار	سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	8
اولین مسلمانوں میں سے	سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ	9
امین الامت کے لقب سے مشہور	سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ	10

سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ: حالات زندگی

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ قریش کے قبیلہ بنو تیم سے تھے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلہ سے بھی تھے۔ آپ اولین مسلمانوں میں سے ہیں؛ شام کے ایک تجارتی سفر میں ایک راہب کی بشارت اور واپسی پر سیدنا ابو بکر کے ذریعے حق کی پہچان کے بعد آپ نے آغاز ہی میں اسلام قبول کیا۔ اس جرم میں آپ کو قریش کی طرف سے شدید اذیتیں بھی سہنا پڑیں، مگر آپ ثابت قدم رہے۔ ہجرت کے بعد آپ مدینہ کی دینی و عسکری زندگی کا فعال حصہ بنے۔ آپ کی سخاوت اتنی مشہور تھی کہ آپ کو طلحہ الخیر اور طلحہ الجود جیسے القاب دیے گئے؛ بڑی بڑی رقوم راہ خدا میں خرچ کرنا اور ضرورت مندوں کی مدد آپ کا معروف معمول تھا۔

غزوہ احد آپ کی زندگی کا درخشندہ باب ہے۔ جب جنگ کی صورت حال سخت ہو گئی تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے، تیروں کو اپنے ہاتھ اور جسم پر روکا، جس سے آپ کا ہاتھ شل ہو گیا اور بدن پر درجنوں زخم آئے۔ اسی دن آپ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ آپ کی حفاظت نبوی کی یہ خدمت روایات میں خصوصی ذکر پائی اور آپ کو زمین پر چلتا ہوا شہید قرار دینے کا مفہوم بھی روایات میں نقل ہوا (جامع ترمذی وغیرہ)۔ دیگر غزوات میں بھی آپ شریک رہے اور خندق و خیبر کے مراحل میں خدمات انجام دیں۔ آپ سے حدیث کی روایات بھی منقول ہیں اور آپ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جن کی رائے و مشورے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

خلفائے راشدین کے ادوار میں آپ معزز مشیروں میں رہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو شوریٰ کے چھ ارکان میں شامل کیا۔ 656 عیسوی میں جنگ جمل کے موقع پر آپ شہید ہوئے۔ ان واقعات کی جزئیات میں مؤرخین کی روایات مختلف ہیں، البتہ یہ بات محققین کے ہاں تسلیم شدہ ہے کہ اس دور کے اختلافات اجتہادی نوعیت کے تھے، اور

ان بزرگوں کی باہمی محبت و احترام کی روایات بھی کتب میں موجود ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا آپ کی شہادت پر افسوس اور آپ کی تعریف میں کلمات بھی منقول ہیں۔ اس لیے ان واقعات کا مطالعہ بھی ادب اور تعلیمی انداز میں ہونا چاہیے۔

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ: حالات زندگی

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ آپ بھی اولین مسلمانوں میں سے ہیں اور کم عمری میں ایمان لائے۔ مکہ کی ابتدائی دینوں کے دور میں آپ نے ہجرت حبشہ میں بھی شرکت کی۔ آپ کو حواری رسول کا لقب حاصل ہوا، حواری کے معنی خاص مددگار اور ساتھی کے ہیں؛ جنگ خندق کے موقع پر بنو قریظہ کی خبر لانے کی رضاکارانہ خدمت پر آپ کو یہ اعزاز ملا اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ہیں (صحیح بخاری و مسلم میں مذکور مفہوم)۔

عسکری زندگی میں آپ کی خدمات بے مثال ہیں۔ بدر میں آپ شریک ہوئے، احد میں ثابت قدمی دکھائی، اور یرموک کے تاریخی معرکے میں آپ کے کارنامے مشہور ہیں جہاں آپ دشمن کی صفوں میں گھس کر واپس آئے۔ مصر کی فتح میں بھی آپ کا کردار نمایاں رہا، خاص طور پر قلعہ بابلیون کی فتح میں سیڑھی چڑھ کر دروازہ کھولنے کا واقعہ تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہے۔ آپ مضبوط جسم، بہادری اور گھڑ سواری کے لیے معروف تھے۔ آپ سے حدیث کی روایات بھی منقول ہیں اور آپ کا شمار بھی شوریٰ کے ارکان میں ہوا۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بھی 656 عیسوی میں جنگ جمل کے دن شہید ہوئے۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ میدان سے واپس پلٹ چکے تھے کہ راستے میں آپ کو شہید کیا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو آپ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے گہرے رنج کا اظہار کیا اور قاتل کے بارے میں روایات میں سخت وعید کا مفہوم نقل ہوا ہے۔ ان تمام واقعات میں بھی تعلیمی نقطہ یہی ہے کہ ان عظیم ہستیوں کے درمیان اختلاف حالات کے نقشے کا نتیجہ تھا، ذاتی عداوت کا نہیں؛ یہی وجہ ہے کہ امت ان سب کا یکساں احترام کرتی ہے۔

دونوں بزرگوں کی مشترکہ خصوصیات اور سبق

سیدنا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کی زندگیوں میں کئی چیزیں مشترک ہیں: اولین ایمان، ہجرت و غزوات کی شرکت، مال و جان کی قربانی، سخاوت و شجاعت کا امتزاج، اور اہل شوریٰ میں شمولیت۔ دونوں کا تعلق قریش کے معزز گھرانوں سے تھا مگر اسلام نے انہیں عزت کی وہ بلندی دی جو نسب سے نہیں عمل سے ملتی ہے۔ ان کی سیرت کا سبق یہ ہے کہ اللہ کی رضا کی بشارت ان لوگوں کو ملتی ہے جو مشکل وقت میں حق کے ساتھ کھڑے ہوں، اپنی صلاحیت و مال کو دین کی خدمت میں لگائیں اور انفرادی مفاد پر اجتماعی دینی مصلحت کو ترجیح دیں۔ طالب علم کے لیے ان کرداروں کا مطالعہ ایمانی حرارت اور عملی زندگی دونوں میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ سے مراد وہ دس صحابہ ہیں جنہیں احادیث میں نام لے کر جنت کی بشارت دی گئی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سخاوت اور احد کی عظیم حفاظت کے لیے، اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ حواری رسول ہونے اور بے مثال شجاعت کے لیے تاریخ اسلام کے روشن ستارے ہیں۔ ان کے حالات زندگی مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر ایمان، قربانی اور استقامت کا مکمل نصاب رکھتے ہیں، جن کا مطالعہ اسائنمنٹ کے اس سوال کا اصل مقصد ہے۔